خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

مائل خیرآبادیؒ

بسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرحیم

خدیجۃُ الکبریٰ رضؓ

"اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں مجھے اتنا رشک کسی پر نہ آتا تھا جتنا خدیجہؓ پر۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہ تھا بس اتنی بات تھی کہ آں حضرتؐ ان کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔"

اوپر جو سطریں لکھی گئی ہیں، مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کے ابتدائی حصّے کا ترجمہ ہیں۔ یہ حدیث ہماری ان محترم اور بزرگ ماں نے بیان فرمائی ہے جن کے فضل و کمال اور علم و اجتہاد سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اُن کی موجودگی میں حضورؐ کا حضرت خدیجۃُ الکبریٰؓ کو یاد کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت خدیجہؓ غیر معمولی خوبیوں اور صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ آیئے غور کریں کہ حضورؐ انہیں اکثر کیوں یاد فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ کیا اُم المومنین حضرت خدیجہؓ بے حد حسین اور خوبصورت خاتون تھیں؟

حسن وجمال کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رض آگے چل کر خود فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہ رض ایک معمر[1] خاتون تھیں۔ دوسری حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُمہات المومنین میں خود حضرت عائشہ رض، حضرت صفیہ رض اور حضرت زینب رض زیادہ حسین تھیں پھر ہمیں پورے یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ ظاہری حسن وجمال حضور ؐ کو اپنی طرف مائل نہیں کرتا تھا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ حضور ؐ اُنہیں اکثر یاد فرمایا کرتے تھے ؟

۲۔ کیا اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رض علم میں اعلیٰ مقام رکھتی تھیں؟ ایسا بھی نہ تھا، ان کی علمی استعداد کا تذکرہ ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ علم وکمال کے اعتبار سے حضرت عائشہ رض اکابر صحابہ رض کی صف میں بھی ممتاز تھیں۔ پھر کیا وجہ تھی کہ حضور ؐ اس عالم فاضل اُمّ المومنین کے سامنے حضرت خدیجہ رض کو یاد فرمایا کرتے تھے؟

۳۔ کیا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مال ودولت اور حسب ونسب میں اعلیٰ وارفع مقام رکھتی تھیں؟ بے شک یہ بات تھی لیکن ان صفات میں دوسری امہات المومنین رض بھی کم نہ تھیں۔ حضرت عائشہ رض رئیس مکہ حضرت ابوبکر رض کی بیٹی تھیں۔ ابوبکر رض فیاض، غربا پرور اور عالی خاندان بھی تھے حضرت صفیہ رض سردار خیبر کی بیٹی اور حضرت ہارون کی نسل سے تھیں۔ حضرت حفصہ رض

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رض سے شادی کی اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ۶۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی موجودگی میں حضور ؐ نے کوئی شادی نہیں کی۔

فاروق اعظم حضرت عمرؓ اور حضرت اُمِ حبیبہؓ رئیس مکہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ اسی طرح تمام اُمہات المومنین عالی نسب اور صاحب ثروت رئیسوں کی بیٹیاں تھیں۔ حضورؐ کے یہ رشتے حسب و نسب اور جاہ و ثروت کے اعتبار سے عرب کے معزز اور ممتاز گنے چنے گھرانوں سے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہؓ اس حیثیت سے منفرد نہیں تھیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کیا مال و دولت اور حسب و نسب میں حضورؐ کے لیے کوئی وجہ کشش ہو سکتی تھی؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بار سردارِ قریش عتبہ نے حضورؐ کے سامنے دعوتِ دین میں معمولی لچک اور رواداری پیدا کرنے کے لیے کہا تھا اور اس کے عوض عرب کی منتخب حسینہ، سات پشتوں تک کے خرچ کا خزانہ اور عرب کی سرداری کی پیش کش کی تھی۔ مگر حضورؐ نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ جب یہ بھی وجہ کشش نہیں تو پھر کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ حضورؐ حضرت خدیجہؓ کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے؟

۴۔ اس چھان بین کے بعد حضرت خدیجہؓ کا صحیح مقام جاننے کے لیے ہم حضرت عائشہؓ ہی کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک حدیث کے آخری حصّے سے رجوع کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

> "خدا کی قسم، ہرگز نہیں، خدا نے ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں دی خدیجہؓ اس وقت ایمان لائیں جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور انھوں نے اس وقت مجھے اپنا مال (اقامتِ دین کے لیے) دیا جب لوگ مجھے مال دینے کے لیے تیار نہ تھے۔"

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ ہی کی زبانی مزید یہ الفاظ ملتے ہیں:۔

"جب میرا کوئی معین و مددگار نہ تھا اس وقت انہوں نے میری مدد کی"

دراصل یہی وجہ تھی انھیں یاد کرنے کی۔ حضرت خدیجہؓ کا عقد جس دن سے حضورؐ کے ساتھ ہوا اس دن سے لے کر مرتے دم تک تن من دھن سے حضورؐ پر قربان رہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد تو سراپا "ایثار" بن گئیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے اس دعوے کی دلیل ہے۔ اقامت دین میں تمام اُمہات المومنین میں وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ آج اقامت دین کے لیے دنیا میں ہر جگہ تحریکیں چل رہی ہیں، مرد بھی اس تحریک میں حصّہ لے رہے ہیں اور عورتیں بھی ضرورت ہے کہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے حالاتِ زندگی بار بار ہمارے سامنے آتے رہیں۔ اور ہم اُن سے نصیحت حاصل کرتے رہیں۔

تعارف

حضرت خدیجہؓ مکّہ کے ایک رئیس خویلد کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ ماں باپ دونوں قریش خاندان سے تھے۔ قریشی ہونے کی حیثیت سے انہیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی نسبت تھی۔ یہ خاندانی نسبت کچھ زیادہ دور کی نہ تھی۔ تیسری چوتھی پُشت پر ہی حضرت خدیجہؓ کا نسبی سلسلہ حضورؐ کے جدِ اعلیٰ قُصَیّ سے مل جاتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ اس زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں جب عرب کی جہالت اپنے پورے شباب پر تھی۔ اس جہالت کا آلۂ کار مادّی حیثیت سے کمزور اور

غلام مردوں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے عورتوں کو بننا پڑتا تھا۔ کفر و شرک نے عام طور پر لوگوں کو توہمات، فخر و غرور، شراب نوشی، قمار بازی، سود خوری، عیاشی اور جنگ و جدال میں مبتلا کر دیا تھا۔ بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ شعراء اپنے اشعار میں اپنی محبوبہ کا نام بھری محفل میں فخر کے ساتھ لیتے تھے۔ اور جتنے بڑے گھرانے کی عورتیں ان کی طرف ملتفت ہوتیں اسی نسبت سے ان کے فخریہ کلام میں گرمی اور روانی پیدا ہو جاتی تھی۔ آنکھوں کا پانی اس درجہ مر چکا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں[1] کو ترکہ کی طرح آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ اور اپنی بیویاں بدل لینے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ جن اخلاقی خرابیوں میں مرد پیش پیش تھے عورتیں بھی بڑھ بڑھ کر ان میں حصہ لیتی تھیں۔ ایسے بگڑے ماحول اور گندے معاشرے میں حضرت خدیجہؓ شرم و حیا اور پاکدامنی کے اس مقام پر فائز تھیں کہ لوگ انھیں "طاہرہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ "کبریٰ" لقب پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام امہات المومنین میں بزرگ و برتر تھیں اور "ام المومنین" کا خطاب اللہ تعالیٰ نے حضور کی تمام ازواجِ مطہرات کو عطا فرمایا تھا۔

---

[1] اس وقت عام رواج تھا کہ مرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔ مردوں کے لیے کسی مخصوص تعدادِ ازواج کی پابندی نہ تھی۔ سیاسی اور معاشرتی اغراض کے اعتبار سے یہ بات عام پسند تھی کہ کسی کی بہت سی بیویاں ہوں۔

ابتدائی حالات

اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکُبریٰ رضی اللہ عنہا ایک معزز اور مالدار باپ کی خوبصورت اور نیک سیرت بیٹی تھیں۔ اس لیے ان کے بالغ ہوتے ہی قریش کے بڑے بڑے گھرانوں سے شادی کے پیغامات آنے لگے۔ چنانچہ ایک رئیس اور امیر گھرانے کے ایک جوان ابوہالہ سے شادی ہوئی۔ ابوہالہ سے ان کے دو لڑکے ہوئے' ایک ہالہ، دوسرے ہند۔ ہالہ جوانی میں ایک حادثے کا شکار ہو گئے، ہند نے کافی عمر پائی' وہ مسلمان ہوئے اور ایک لڑائی میں کام آئے۔

ابوہالہ زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے۔ شادی کے کچھ سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ نے عتیق بن عائذ سے عقد کر لیا۔ عتیق بھی ایک بڑے گھرانے (مخزومی قبیلے) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکی کا نام بھی ہند تھا۔ ہند نے آگے چل کر اسلام قبول کیا۔

دوسرے شوہر عتیق بھی جلد ہی چل بسے۔ اسی زمانے میں حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد مشہور لڑائی "حرب الفجار" میں مارے گئے۔ اور حضرت خدیجہؓ دوسری بار بیوہ ہونے کے ساتھ یتیم بھی ہو گئیں۔ چونکہ باپ ایک تاجر پیشہ اور مال دار شخص تھے اس لیے ان کے بعد حضرت خدیجہؓ ایک بڑی جائداد کی مالک

ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال کی تھی۔ اب بھی بہت سے لوگوں نے ان سے شادی کرنا چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ ایک عقلمند اور باہمت خاتون تھیں، انھوں نے اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد کی طرف توجہ کی اور کاروبار کو سنبھالا۔ کاروبار کے سلسلے میں انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی تجربہ کار اور دیانت دار آدمی سے معاملہ کر لیتیں پھر جب تجارتی قافلے مکّے سے سامانِ تجارت لے کر باہر جاتے تو ان کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا مال بھی ہوتا۔ قافلے کی واپسی پر حساب کتاب ہو جاتا اور حصّہ رسد فریقین کو نفع مل جاتا۔

حضرت خدیجہؓ نے اس طرح دس برس تک کاروبار کو چلایا۔ اس کے لیے انھیں ایک امین اور خوش معاملہ آدمی کی مستقل تلاش رہی۔ وہ اپنے غلاموں سے لوگوں کے نجی حالات دریافت کیا کرتیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پچیس[۲۵] سال کے ہو چکے تھے، اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہ کر آپؐ نے تجارت میں اچھا خاصا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ آپؐ کی صداقت، دیانت اور خوش معاملگی کا چرچا خاص و عام کی زبان پر تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے سنا تو ایک شخص کے ذریعے کہلایا کہ اگر آپ میرے شریک کار ہو جائیں تو میں جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دونا آپ کو دوں گی۔ حضورؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کر کے منظور کر لیا اور حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر ایک قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گئے حضرت خدیجہؓ نے اپنے ایک غلام مَیْسَرَہؓ اور ایک رشتہ دار خُزَیْمَہؓ کو آپؐ کے ساتھ کر دیا۔ واپسی پر حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ اس دفعہ تجارت میں دوگنا

منافع ہوا۔ انہوں نے اپنے دونوں آدمیوں سے سفر کا حال پوچھا تو دونوں نے حضورؐ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اطوار کی بے حد تعریف کی۔اب خدیجہؓ کے دل میں خود بخود آپؐ سے شادی کرنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ انہوں نے اپنے اس معاملہ کو اپنی ایک معتمد سہیلی نفیسہ کے سپرد کیا۔ نفیسہ نے بڑی خوبصورتی سے اس مسئلے کو حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ کی سیرت سے بخوبی واقف تھے۔ آپؐ نے نفیسہ کی تجویز منظور کرلی۔ اپنے چچا ابوطالب سے ذکر کیا انہوں نے بھی پسند کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی مراد برآئی اور حضورؐ سے ان کا عقد ہو گیا۔

حضورؐ سے محبّت

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کی فکر و عادت میں ایسی پختگی آجاتی ہے کہ پھر وہ آسانی سے انہیں دوسری طرف موڑ نہیں پاتا اور اگر اس کی فکر و عادت کی پشت پر مال و دولت کی طاقت ہوتی ہے تو پھر ان کا موڑنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت خدیجہؓ اس سے مستثنےٰ ہیں۔ وہ رئیس زادی تھیں، یکے بعد دیگرے دو رئیسوں سے شادی کر کے عیش و آرام کی زندگی گذار چکی تھیں، انھیں اپنی چالیس سالہ زندگی کے ہر دور میں خوشی و مسرت حاصل رہی اور وہ اب بھی رئیس تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ مال دار

ہونے اور مال دار گھرانوں سے وابستہ ہونے پر ناز و نعم میں پلی ہوئی عورتوں کی طرح بد مزاج، مغرور اور ضدی ہوتیں اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حضورؐ کو غریب جان کر خاطر میں نہ لاتیں اور بات بات میں دبانے کی کوشش کرتیں۔ لیکن وہ ایک عالی ظرف اور نہایت سلامت رُو انسان تھیں۔ اس شادی کے بعد پچیس سال تک زندہ رہیں۔ پچیس سال کی اس طویل مدت میں ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے پتہ چل سکے کہ انہوں نے حضورؐ کے مرضی کے خلاف کوئی ادنیٰ کام بھی کیا ہو۔ حضورؐ کی فقر پسندی کے باوجود نہایت خندہ جبینی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا، عمر بھر قدم قدم پر آپؐ کا ساتھ دیا اور اپنی خدمات سے ہمیشہ آپؐ کو خوش رکھا۔

ابھی تک حضرت خدیجہؓ نے نبی کریمؐ کو دور سے دیکھا تھا۔ حضورؐ کی دیانت، صداقت اور خوش اخلاقی کے چرچے سنے تھے۔ اب جو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو حضورؐ کو اخلاقِ حسنہ کے اس بلند مقام پر پایا جس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کی توفیق شاملِ حال تھی۔ حضرت خدیجہؓ حضورؐ کی حرکات و سکنات سے متأثر ہوئیں اور پورے طور پر حضورؐ کے رنگ میں رنگ گئیں، انہوں نے دیکھا کہ حضورؐ یتیموں، غلاموں، بیواؤں اور غریبوں کی سرپرستی اور امداد کو پسند فرماتے ہیں تو انہوں نے اپنا سارا کاروبار اور اپنی تمام دولت حضورؐ کے قدموں میں ڈال دی اور حضورؐ نے جتنا مال جس طرح چاہا خرچ کیا، جو مال جسے چاہا دے دیا اور جس غلام کو چاہا آزاد کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ حضورؐ سادہ اور معمولی زندگی سے خوش ہوتے ہیں تو

انھوں نے کسی تاخیر اور تامل کے بغیر سادہ اور معمولی زندگی اختیار کرلی۔ اور اَب خدیجہؓ کی جو دولت ذاتی آسائش پر خرچ ہو رہی تھی خلق خدا کے کام آنے لگی۔

حضورؐ دیکھ رہے تھے کہ چچا ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ ان پر گھر کے خرچ کا بہت زیادہ بوجھ ہے۔ اس لیے آپ نے حضرت خدیجہؓ سے علی بن ابی طالب کو اپنی کفالت میں لے لینے کا مشورہ کیا۔ حضرت خدیجہؓ فوراً راضی ہو گئیں۔ حضورؐ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی حضرت خدیجہؓ کے گھر رہنے لگے۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی پرورش و پرداخت اور انھیں پروان چڑھانے میں حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ نہیں تھا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کی زندگی بے حد مصروف زندگی تھی۔ اور آپؐ اس زمانہ کے بعد نزولِ وحی تک زیادہ سے زیادہ گوشۂ تنہائی پسند فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ حضورؐ سے اس درجہ محبت کرتی تھیں کہ بیسیوں لونڈیوں اور غلاموں کے باوجود وہ حضورؐ کی خود خدمت کرتیں۔ نزول وحی سے پہلے جب حضورؐ غارِ حرا میں گوشہ نشین رہنے لگے تھے اس وقت حضرت خدیجہؓ ضرورت کا سامان خود لے جا کر دے آتی تھیں۔ غارِ حرا ان کے مکان سے تین میل کی دوری پر تھا۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا حضرت خدیجہؓ کی کامیاب ازدواجی زندگی کا روشن نمونہ ہے لیکن یہ حضرت خدیجہؓ کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ اگر وہ ایک فرماں بردار

بیوی ہی کی حد تک ہوتیں تو دنیا میں ایسی بہت سی عورتیں گزری ہیں جن کے لیے ہم قلم اُٹھا کر معاشرتی زندگی کی کوئی نہ کوئی مثال پیش کر دیتے، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کا اصل کارنامہ وہ ہے جو ہم آگے بیان کرتے ہیں۔

حمایتِ اسلام

حضرت خدیجہؓ سے شادی ہونے کے پندرہ برس بعد اللہ تعالیٰ نے حضور کو منصبِ نبوّت سے سرفراز فرمایا۔ غارِ حرا میں پہلی بار جب آپؐ پر وحی کا نزول ہوا تو نبوت کی اہم ذمہ داریوں کے احساس سے آپ کے قلبِ مبارک پر ایک طرح کا لرزہ طاری ہو گیا۔ آپؐ وہاں سے گھر تشریف لائے، آ کر لیٹ گئے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: "مجھے کپڑا اڑھا دو"۔ حضرت خدیجہؓ سے نزدلِ وحی اور راہِ نبوت کے خطرات کا ذکر کیا۔ اس موقع پر اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو یہ انوکھا ماجرا سن کر گھبرا جاتی یا معاملہ ہی اس کی سمجھ میں نہ آتا لیکن حضرت خدیجہؓ جیسے پہلے سے یقین کیے بیٹھی تھیں کہ جو ہستی انسانیت کا مکمل نمونہ ہے اسے اللہ کا رسول بننا ہی چاہیے۔ وہ نہ تو گھبرائیں اور نہ اُن کے دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا ہوا۔ وہ معاملے کی نوعیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ گئیں۔ انہوں نے آپؐ کو تسلی دی۔ آپؐ کی صلہ رحمی، صداقت، دیانت، خوش معاملگی غربا نوازی، یتیم پروری اور دیگر خوبیوں کو سراہتے ہوئے کہا: "نہیں، ہرگز نہیں،

آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ خدا آپؐ کو رسوا نہ کرے گا۔ آپ قرابت داروں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی امداد فرماتے ہیں، مسافروں کو مہمان رکھتے ہیں اور انصاف و حق کی خاطر مظلوموں کے کام آتے ہیں۔ خدا آپؐ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑے گا۔"

اس موقع پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نفسیاتی اعتبار سے ایک بڑی ذہانت کا کام کیا۔ ان کے ایک قریبی رشتہ دار ورقہ بن نوفلؒ تھے وہ انبیاء کرامؑ کی تعلیم اور ان کے طریقِ دعوت سے واقف تھے۔ عرب کی بت پرستی اور رسم و رواج اور توہمات سے متنفر ہو کر عیسائی ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے سمجھ لیا کہ اگر حضور کا یہ ماجرا وہ سُنیں تو یقین ہے ضرور تصدیق کریں گے۔ اور اس سے حضورؐ کے قلب کو تقویت پہنچے گی۔ چنانچہ وہ آپؐ کو لے کر اُن کے پاس گئیں۔ حضرت خدیجہؓ کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ ورقہ بن نوفل نے وحی کا واقعہ سُن کر کہا:۔

"یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا۔ اے کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم تم کو نکال دے گی۔"

حضورؐ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟" جواب دیا۔ "ہاں، تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے لے کر جو کوئی آیا اس سے لوگوں نے دشمنی ہی کی اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ضرور تمہاری مدد کروں گا۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت خدیجہؓ حضورؐ کو لے کر گھر چلی آئیں۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔ وہ غریب حمایتِ رسول کی تمنّا

اپنے دل میں لیے دنیا سے سدھار گئے لیکن ان کی یہی تمنا الٰہی کے خاندان کی ایک خاتون (حضرت خدیجہؓ) کے جسم و روح میں سرایت کر گئی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہؓ پچپن سال کی پختہ کار خاتون تھیں۔ اس عمر میں پہنچ کر انسان عموماً دور اندیش اور مصلحت کیش ہو جاتا ہے اور خطرات میں پڑنے سے گریز کرتا ہے۔

اقامتِ دین میں پہلی قربانی

عام بات ہے کہ عورت کو بڑھاپے میں شوہر سے زیادہ اولاد سے محبت ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت خدیجہؓ کا معاملہ اب دوسرا تھا۔ حضورؐ اب شوہر سے بڑھ کر رسولِ خدا تھے۔

اب معاملہ شوہر کی رضا کا نہیں بلکہ رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ رسول کا تھا۔ اب معاملہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کا نہ تھا بلکہ اُس دنیا کی زندگی کا تھا جو چند روزہ نہیں، دائمی ہے۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اُس دنیا (آخرت) کو سامنے رکھ کر اپنے کو سنوارنا شروع کر دیا اور اپنی اولاد کی زندگی کا انحصار بھی اسی دنیا کی کامیابی پر رکھا اور اسی کے لیے رضائے الٰہی محبت رسول اور حمایت اسلام کو بنیاد بنا کر اپنی اولاد کو پوری تربیت دینا شروع کر دی اور بحمد اللہ وہ اس میں کامیاب ہوئیں۔

واقعہ ہے کہ تحریکِ اسلامی کے ابتدائی ایام میں ایک بار جب رسولِ خدا

نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا تو دفعتًا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کفار قریش کے نزدیک کعبے میں توحید کا اعلان حرم کی سب سے بڑی توہین تھی۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ یہ خبر سُن کر سب سے پہلے جو شخص حضورؐ کی مدد کو پہنچا وہ رسولِ کریم کے رَبِیْب یعنی حضرت خدیجہؓ کے جانباز بیٹے ہالہ تھے۔ وہ بلا تامل بیچ میں کود پڑے۔ ان کی اس مداخلت سے حضورؐ تو محفوظ رہے مگر چاروں طرف سے ان پر اتنی تلواریں پڑیں کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اسلام کی راہ میں جان کی پہلی قربانی اسی محترم ماں کے جانباز بیٹے نے پیش کی جس نے مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

ہالہ نے تو ابتدائے جوانی میں جب انسان کا جوش و خروش پورے عروج پر ہوتا ہے، یہ قربانی پیش کی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اپنے ننھے ننھے بچوں میں یہ جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ کمزور اور کمسن ہوتے ہوئے کفار کو ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ ایک دن نبی کریمؐ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے سجدے میں تھے کہ ابوجہل کے اشارے سے ایک شخص نے اونٹ کی اوجھ لا کر آپؐ پر ڈال دی۔ کافر حضورؐ کو اس طرح صدمہ پہنچا کر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ یہ خبر حضرت فاطمہؓ کو ہوئی اس وقت ان کی عمر پانچ چھ سال کی تھی لیکن وہ دوڑ کر گئیں اور اس کمسنی میں نہایت جرأت اور بیباکی کے ساتھ کافروں کو سخت سست کہا اور حضور کے اوپر سے اوجھ ہٹائی۔ حضرت فاطمہؓ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔

حضرت رقیہؓ کی جدائی

اس سلسلے میں حضرت خدیجہؓ کی ایک اور پیاری بیٹی حضرت رقیہؓ (جو حضورؐ سے تھیں) کا واقعہ بھی سُننے کے لائق اور سبق آموز ہے۔ مکّے میں تحریکِ اسلامی کا ایک یہ بھی دور آیا جب قریشِ مکّہ نے اسلام کے شیدائیوں کو مکّہ میں رہنا دوبھر کر دیا تھا۔ حالات ناقابل برداشت دیکھ کر حضورؐ نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھیں۔ ان غریبوں کا معاملہ کچھ ایسا نازک تھا کہ اپنی خیریت کی اطلاع بھی اپنوں کو نہ دے سکے۔ ایک مدت تک داماد اور بیٹی کا حال حضرت خدیجہؓ کو معلوم نہ ہو سکا۔

جن لوگوں نے انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اولاد مر جائے تو طبیعت ٹھہرتے ٹھہرتے کچھ دنوں کے بعد سنبھل جاتی ہے۔ لیکن اگر اولاد مفقود الخبر ہو جائے تو کیسے کیسے اندیشے آ آ کر دل و دماغ کو بے چین کرتے رہتے ہیں۔ ایک جانکاہ کوفت ہوتی ہے جو اندر ہی اندر انسان کو گھلایا کرتی ہے لیکن فنا فی الاسلام حضرت خدیجہؓ ایسی صابر و شاکر ماں تھیں کہ کبھی ایک لفظ شکوہ بھی ان کی زبان سے نہ نکلا۔ وہ راضی برضا کا بہترین نمونہ بنی رہیں۔ بہت دنوں کے بعد ایک عورت کے ذریعہ داماد اور بیٹی کی خیریت معلوم ہوئی تو حضورؐ نے دعا فرمائی اور اُمّ المومنین نے آمین کہی۔

اس واقعہ سے ایک طرف ماں کے صبر و ایثار کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف بیٹی کے عزم و استقلال کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کیا بیٹی کے اس عزم و استقلال کو پروان چڑھانے والا حضرت خدیجہؓ کے سوا کوئی اور تھا؟

تین حامئ اسلام

تحریکِ اسلامی کی ابتدائی آزمائشوں میں جب اسلام کا دم بھرنے والوں پر ناقابلِ برداشت مظالم ڈھائے جا رہے تھے، تین بزرگ رسولِ خداؐ کی حمایت میں پیش پیش رہے۔ اِن میں سے ایک حضورؐ کے چچا ابو طالب تھے۔ ان بزرگ کو حضورؐ سے فطرتاً محبت تھی اور وہ اپنی اولاد سے زیادہ آپؐ کو چاہتے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے والد عبدالمطلب سے بھتیجے کی پرورش اور نگرانی کا عہد کیا تھا، ابو طالب نے اس عہد کو سخت سے سخت ناموافق حالات میں بڑی جرأت کے ساتھ پورا کیا۔ اس وقت جبکہ قریش مکّہ کا وفد دو ٹوک بات کرنے ان کے پاس آیا اور کہا: ابو طالب! یا تو بھتیجے کو منع کر دو کہ وہ ہمارے معبودوں کو ذلیل نہ کرے یا تم درمیان سے ہٹ جاؤ تو ہم اس سے آخری طور پر نبٹ لیں"۔ اس وقت گو بڑا نازک معاملہ تھا، پوری قوم مشتعل تھی، ابو طالب کا دل کانپ گیا۔ مگر بالآخر انھوں نے جو فیصلہ کیا وہ انہیں کے لفظوں میں سننے کے لائق ہے۔ حضورؐ سے کہا:۔

"بھتیجے! تو اپنا کام جاری رکھ، یہ لوگ تیرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے"۔

ابوطالب کے یہ الفاظ پوری قوم کو ایک طرح کا چیلنج تھے۔ اس چیلنج کو قوم نے کس طرح قبول کیا اور ابوطالب نے اسّی برس سے زائد عمر میں اس کے مقابلہ میں کیا استقامت دکھائی، اس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔

دوسرے بزرگ جو رضائے الٰہی اور حمایت اسلام میں اپنا سب کچھ نچھاور کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ یہ بزرگ حضورؐ کے بچپن کے دوست اور رفیق تھے۔ اسلام کا نام سنتے ہی بلا تامل ایمان لائے۔ اور پھر انہوں نے اپنے تمام دوستوں کو اسلام کی طرف موڑا۔ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، عثمان بن عفان اور ان جیسے دوسرے اصحاب رسول (جو اللہ سے راضی رہے اور اللہ ان سے راضی ہوا) کا اسلام میں جو مقام ہے اس سے ہر شخص واقف ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کا ایک بڑا باب ہے کہ انہوں نے ان جیسے حضرات کو اسلام کی طرف مائل کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت صرف ان حضرات کو راہِ ہدایت دکھانے پر ختم نہیں ہوتی۔ انہوں نے ان غلاموں کو بڑی سے بڑی قیمتوں پر خرید کر کے آزاد کر دیا جو مسلمان ہو کر قریش کے ظلم و ستم کا شکار تھے۔ کفار اس سلسلے میں صدیق اعظم سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے تھے اور صدیق اعظم نہایت کشادہ دلی سے منہ مانگی رقم ادا کرتے تھے۔ جب اُمیّہ بنُ خَلَفَ کو ایک بھاری رقم دے کر حضرت بلالؓ کو آزاد کرایا تو حضورؐ نے فرمایا: "اس مال میں مجھے بھی شریک کر لیجئے"، عرض کیا: "حضورؐ میں بلالؓ کو آزاد کر چکا۔"

حضرت صدیقؓ کے یہ دو واقعے جن کے اندر بیسیوں واقعات ہیں، نمونہ کے طور پر نقل کیے گئے۔ ان کے علاوہ ان کی حمایت کے واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ان کی زندگی بھر قائم رہا۔ وہ رسولؐ خدا کے مشیر و رازدار تھے۔ یارِ غار اور معین و مددگار تھے۔ ہمنوا اور فداکار تھے۔ زبانِ رسالت نے خود اقرار فرمایا ہے کہ اسلام کو جتنا زیادہ فائدہ ابوبکر سے پہنچا ہے اتنا کسی دوسری ذات سے نہیں۔

حاصلِ کلام حمایت اسلام میں ابوطالب اور ابوبکرؓ کے کارنامے وہ کارنامے ہیں جو ظاہر و نمایاں ہیں لیکن جن ہستی کی خدمات اسلام کی راہ میں دودھ میں گھی کی طرح شامل رہیں وہ بزرگ ہستی ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی تھی۔ دودھ میں گھی کسی کو نظر نہیں آتا۔ لیکن دودھ کی ساری طاقت اسی کی بدولت ہوتی ہے۔ یہی حال حضرت خدیجہؓ کی خدمات کا تھا۔ عورت ہونے کی حیثیت سے ان کی خدمات اس چشمے کی مانند تھیں جو زمین کے اندر جاری ہو اور کسی درخت کو جڑ سے قوت بخش رہا ہو لیکن کسی کو نظر نہ آتا ہو۔

کفارِ مکہ جب دشنام طرازیوں اور طعن و طنز سے حضورؐ کا کلیجہ چھلنی کر دیتے اور ان کے آوازوں سے دل شکستہ ہو کر حضورؐ گھر تشریف لاتے اور ملول و رنجیدہ ہو کر متفکر لیٹ جاتے تو ایک طرف سے یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ پکارنے والی آواز دل کو تسکین دیتی تو دوسری طرف حضرت خدیجہؓ اپنی زبان اور اپنے دل کی پوری قوت کے ساتھ دل جوئی کرتیں اور ایسی باتیں کرتیں کہ حضورؐ کا غم غلط ہو جاتا۔ وحی اول کے نزول پر انہوں نے جن تدبیروں

سے حضورؐ کے دل کو تقویت پہنچائی اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ یہی حال ہر موقع پر تھا۔ ابن ہشام میں ہے، وَكَانَتْ لَهُ وَزِيرُ صِدْقٍ عَلَى الْإِسْلَامِ یعنی وہ اسلام کے معاملہ میں آنحضرتؐ کی سچی مُشیر تھیں۔

ایک دوسرے انداز سے بھی حضرت خدیجہؓ کی خدمات عظیم خدمات نظر آتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو نبوّت کی ذمہ داریاں سپرد فرمائیں اس وقت دو حیثیتوں سے آپ بیحد مصروف تھے، اللہ کے فضل سے آپؐ صاحبِ اولاد بھی تھے اور حضرت خدیجہؓ کی تجارت کے ذمّہ دار بھی تھے ایک تحریک کی مصروفیت اور اس کی ذمّہ داریوں کے ساتھ گھریلو زندگی کا نظم ایک داعی کے لیے بڑا مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت خدیجہؓ پر، انہوں نے جیسے ہی دیکھا کہ تحریکِ اسلامی کی ذمّہ داری حضورؐ کے سر آئی ویسے ہی گھر کا سارا نظم اپنے کندھوں پر لے لیا۔ چھوٹے بڑے بچّوں کی دیکھ بھال، گھر کی نگرانی اور خانہ داری کے بندوبست سے حضور کو بالکل فارغ کر دیا اور نبی کریمؐ بالکل یکسو ہو کر دینِ قیّم کی دعوت و تبلیغ میں لگ گئے اور حضرت خدیجہؓ کی تجارت کی آب و تاب یک دَم ماند پڑ گئی۔

حضرت خدیجہؓ کی اس خاموش خدمت کا اعتراف اور ان کی محبّت کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو دن بھر کا تھکا ہارا گھر پہنچ کر شریکِ حیات کی ایک نظر کا امیدوار ہوتا ہے۔ اور جب ادھر سے وہ بھی نصیب نہ ہو تو پھر غریب کا جو حال ہوتا ہے اس کا اظہار لفظوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ی

وجوہ اور دلائل کی دنیا میں کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ رضؓ کو حضورؐ کی حمایت پر نہ کھڑا کر دیتا تو تحریکِ اسلامی کے ابتدائی مرحلے ایسے درخشاں اور کامیاب ہوتے جیسے ہم دیکھ رہے ہیں ؟

تحریکِ اسلامی کے ابتدائی دور میں ابوطالب کی خدمات عظیم ترین خدمات ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے مرحلوں میں حضرت ابوبکر رضؓ کا ایثار یقیناً اپنی آپ مثال ہے لیکن صنفِ نازک کے اس مہتم بالشان نمونے کا ثانی بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے اپنے ہاتھوں سے حضورؐ کے دل کی جراحتوں پر مرہم رکھ کر جو ٹھنڈک پہنچائی وہ کسی اور سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ میں ہے :-

" قریش کی تکذیب و توہین سے حضورؐ کو جو اندوہ وغم ہوتا اور آپ کے دل کو جو صدمہ پہنچتا وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر اور ان کو دیکھ کر دور ہو جاتا اور آپؐ خوش ہو جاتے۔ اور جب آپؐ قریش کی ایذا رسانی کا ذکر، خدیجہ رضؓ سے کرتے تو وہ حضورؐ کی رسالت کی تصدیق کرتیں قریش کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتیں اور اس طرح حضورؐ کے دل کی کبیدگی کو دھو دیا کرتیں۔"

بائیکاٹ

تحریکِ اسلامی کی حمایت میں کفارِ مکہ کو وہ ہاتھ تو نظر آیا تھا جو پردۂ

غیب سے حضورؐ کی پشت پناہی کرتا تھا لیکن وہ ابوطالب، ابوبکرؓ اور خدیجہؓ کی حمایت کو دیکھتے تھے۔ وہ دستِ غیب سے تو پنجہ آزمائی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ان تینوں بزرگوں کو دبانے کی کھلی اور چھپی ہر طرح کی کوششیں کرتے رہے لیکن ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ وہ رسولِ خداؐ کو دعوتِ دین سے نہ روک سکے۔ انھوں نے اسلام لانے والوں کو بھی ہر طرح ستا کر دیکھ لیا مگر کہیں بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ مختلف قسم کی جدوجہد سے ناکام ہو کر انہوں نے رسولِ خداؐ کے مکمل بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا۔ سب نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم تحریکِ اسلامی کے قائدِ اعظم کو برائے قتل ہمارے حوالہ نہ کریں ان سے رشتہ ناطہ، لین دین، ملنا جلنا، خرید و فروخت اور تمام انسانی تعلقات ختم۔

یہ معاہدہ لکھ کر کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اب بنی ہاشم کا مکے والوں کے درمیان رہنا ناممکن ہو گیا۔ رئیس خاندان ابوطالب مجبوراً بنی ہاشم کو لے کر اپنے مقبوضہ پہاڑی درّے میں چلے گئے یہ درّہ انہی کے نام سے شعب ابوطالب مشہور تھا۔ اس وقت اگر حضرت خدیجہؓ چاہتیں تو تحریکِ اسلامی کی حمایت ترک کر کے بخوشی قوم کے ساتھ باعزت طور سے رہ سکتی تھیں۔ لیکن باہمت ام المومنین نے تحریکِ اسلامی کی حمایت میں قوم کو ٹھکرا دیا اور اسلام کی خاطر شعب ابوطالب میں گھر کر رہنا گوارا کر لیا۔ کفار نے ناکہ بندی کر دی کہ کھانے پینے اور زندگی بسر کرنے کی کوئی چیز درّے میں نہ جانے پائے اور نہ کوئی شخص درّے سے نکل کر کوئی چیز حاصل کر سکے۔ ان کا خیال تھا کہ مجبور ہو کر

ایک نہ ایک دن بنی ہاشم کندھے ڈال دیں گے۔

غور کرنے کا مقام ہے جس کے ذہن میں کبھی رنج و کلفت کا تصوّر بھی نہ آیا ہو اور جو ہمیشہ دولت وثروت سے کھیلتی رہی ہو اسی خاتون نے شعب ابی طالب کی ساری سختیاں ہنستے کھیلتے جھیل لیں۔ اور ہمارے لیے ایک نمونہ چھوڑ گئیں کہ ایک عورت عورت ہوتے ہوئے بھی تحریکِ اسلامی کو آگے بڑھانے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتی!

یہ بائیکاٹ دو چار دن اور دس پانچ مہینوں کا نہ تھا، مکمل تین برس ان غریبوں پر دانہ پانی بند رہا۔ اس عرصے میں کیا کیا مصیبتیں ان غریبوں نے جھیلیں اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ حصار میں بوڑھے بھی تھے، جوان بھی، بچے بھی تھے، بیمار بھی تھے، مرد بھی تھے، عورتیں بھی۔ انسان اپنی حد تک اور اپنے اوپر بڑی بڑی تکلیف گوارا کر سکتا ہے لیکن فداکاری کا یہ معیار کہیں نظر نہیں آتا کہ آنکھوں کے سامنے معصوم اور ننھے بچے بھوک اور پیاس سے ماں کے سامنے روئیں اور وہ کچھ نہ کر سکتی ہوں۔ جوان مردوں اور عورتوں نے درختوں کی پتیاں کھا کھا کر بھوک کو مٹایا۔ اور انہوں نے سوکھے چمڑے بھون بھون کر معدے کی کچھ نہ کچھ خواہش پوری کر دی، لیکن بچّوں کا کیا ہو؟ اور پھر جس کی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے نرم اور جسے پروردگار عالم نے فطرتاً رقیق القلب بنایا ہو اور جو عورت مرد سے زیادہ اولاد پر شفیق اور عاشق ہو اسے اس وقت کون سمجھائے۔ جب ننھا بچہ زبانِ حال سے العطش العطش پکارے اور غریب ماں اپنے لختِ جگر اور اپنی خشک چھاتیوں کو دیکھے اور ہاتھ مل کر اور دل مسوس کر رہ جائے۔ ہم نے

تاریخ عالم میں مردوں اور عورتوں کی مختلف تحریکات کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیکھی ہیں لیکن کیا تاریخِ عالم کا ایک صفحہ بھی تحریکِ اسلامی کی ان محصور خواتین کے ایثار و قربانی اور ضبط و صبر کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

قریش کی بے رحمی اور سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ وہ باہر سے بچّوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں سنتے تھے اور قہقہہ لگا کر خوش ہوتے تھے۔ اس کٹھن وقت میں حضرت خدیجہؓ کا کردار سب سے زیادہ نمایاں رہا۔ مستورات عام طور پر ہر بات سے جلد متأثر ہو جاتی ہیں۔ اور زبان سے کیا کچھ کہنے نہیں لگتیں۔ ام المومنین بھی شوہر سے کہہ سکتی تھیں کہ یہ کیا آپؐ نے بیٹھے بٹھائے مصیبت مول لے رکھی ہے۔ ہٹائیے یہ سب کھکھیڑ، آپ نے خواہ مخواہ یہ کیا روگ پال رکھا ہے، ماریئے گولی اس تحریک کو، میں نے تو سوچا تھا کہ آپؐ کے ساتھ سکون سے زندگی بسر کروں گی، آپؐ نے کہاں کانٹوں میں لا ڈالا؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس ناقابل برداشت دور میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اگر کوئی فکر تھی تو بس یہی کہ شوہر پر آنچ نہ آئے اس لیے کہ شوہر اللہ کا رسول ہو چکا ہے اور تحریکِ اسلامی اسی کے دم قدم پر منحصر ہے۔

اس بائیکاٹ کے زمانہ میں بعض واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محصورین کو دو ایک بار باہر سے امداد مل گئی تھی۔ جب اس امداد کو جانچ پڑتال کر دیکھا گیا تو اس میں حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ نظر آیا۔ واقعہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنے غلام کے ذریعے پھوپھی کے لیے کچھ گیہوں بھیجے۔ غلام نہایت احتیاط اور حفاظت سے لیے جا رہا تھا لیکن کفارِ مکہ بھی

غافل نہ تھے۔ ابوجہل نے دیکھ لیا۔ غلام کو جا پکڑا اور گیہوں چھیننے لگا۔ غلام بھی وفادار تھا۔ اس نے چاہا کسی طرح بچ کر نکل جائے مگر ابوجہل نے نہ چھوڑا اور شور مچا دیا۔ اور کش مکش ہونے لگی۔ اتنے میں ابوالبختری نامی دوسرا شخص آپہنچا وہ بھی مکہ میں صاحب اثر تھا۔ حالانکہ وہ مسلمان نہ تھا لیکن حضرت خدیجہؓ کی وجاہت سے واقف تھا اور فطرتاً کسی قدر انسانیت پسند تھا۔ اسے ابوجہل کا رویہ بُرا لگا۔ اس نے ابوجہل کو ڈانٹ دیا اور بولا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کے پاس کھانے کی چیز بھیجتا ہے تو روکنے والا کون ہوتا ہے؟ پھر اتنا اصرار کیا کہ ابوجہل کو راستے سے ہٹنا پڑا اور سامان شعب ابی طالب میں پھوپھی کے پاس پہنچ گیا۔

تحریکِ اسلامی کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ بائیکاٹ تین برس کے بعد ختم ہوا اس سے بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پس پردہ کارناموں کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ جو لوگ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے وہ اپنے عزیزوں کو مصیبتوں میں دیکھتے دیکھتے گھبرا اُٹھے۔ چنانچہ ہشام مخزومی[1] اپنے خاندان کے رئیس ابوطالب کے بھانجے زبیر سے ملا اور غیرت دلائی کہ زبیر! شرم نہیں آتی، تم سے نوالہ حلق سے نیچے کیسے اتارا جاتا ہے، جب کہ تمہارے

---

[1] یاد ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ کا دوسرا عقد اسی خاندان (مخزومی) میں ہوا تھا اور اسی خاندان کی یادگار ایک لڑکی "ہند"، اس حصار میں اپنی ماں یعنی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ تھی۔

ماموں کو ایک دانہ بھی نصیب نہیں ہوتا"۔ زبیر بھی بھرا ہوا تھا۔ یہ سُن کر تڑپ گیا۔ جواب دیا۔ "کیا کروں، مجبور ہوں، اکیلا اور تنہا ہوں۔ اگر ایک شخص بھی میرا ساتھ دینے کو تیار ہو جائے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو نوچ کر پھینک دوں"۔ یہ سُن کر ہشام نے حامی بھری۔ پھر یہ دونوں مکہ کے انسانیت پسند لوگوں کے پاس گئے۔ تین آدمی اور مل گئے۔ اب یہ پانچوں کعبے میں گئے۔ زبیر نے قریش کو مخاطب کر کے پکارا "اہلِ مکہ! یہ کیا انصاف ہے کہ لوگ تو آرام سے کھائیں پئیں اور آلِ ہاشم دانے دانے کو ترسیں، خدا کی قسم! جب تک ظالمانہ معاہدہ پھاڑ کر پھینکا نہ جائے گا اس وقت تک ہم خاموشی سے نہیں بیٹھ سکتے"۔ یہ سن کر دوسری طرف سے ابوجہل بولا "کوئی اس معاہدے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا"۔ زبیر کے ساتھی زمعہ نے بڑھ کر ابوجہل کو ڈانٹ دیا اور کہا "تو جھوٹا ہے۔ جب یہ معاہدہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم اس سے راضی نہ تھے۔

بات چیت میں گرمی شروع ہوئی تھی کہ زبیر کے طرفدار ایک جوشیلے شخص معطم بن عدی نے ہاتھ بڑھا کر معاہدے کو نوچ لیا اور پھاڑ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد پانچوں اشخاص ہتھیار سج کر شعب ابوطالب میں گئے اور محصورین کو باہر نکال لائے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔

تحریکِ اسلامی کا سالِ غم

آلِ ہاشم شعب ابی طالب کی آزمائشوں سے کامیاب ہوئے لیکن ان

آزمائشوں کی جانکاہ تکلیفوں اور روح فرسا اذیتوں نے دو ضعیف العمر بزرگوں کی صحت کو گھلا ڈالا، ایک ابو طالب، دوسری حضرت خدیجہؓ۔ ان کی صحت پھر سنبھل نہ سکی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں بزرگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ان دونوں بزرگوں کے انتقال سے تحریک اسلامی دو ظاہری اور بڑے سہاروں سے محروم ہو گئی۔ ان دو ظاہری سہاروں کے اٹھ جانے سے رسولِ خداؐ کو جو صدمہ اور غم ہوا اس کا اندازہ دوسرا نہیں کر سکتا۔ حضورؐ اکثر اس سال کو "عَامُ الْحُزْنِ" (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔ یہ سال حقیقت میں رسولِ خدا اور تحریکِ اسلامی کے لیے غم کا سال تھا۔ ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وجہ سے قریش حضور پر ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اب ان کو کسی کا پاس اور لحاظ نہ رہا اور اب وہ تحریک اسلامی کے قائد ہی کو ختم کرنے کے منصوبے سوچنے لگے۔

رسولِ خداؐ کی ذاتِ خاص کی ایذا رسانی کے سلسلے میں جو ناقابلِ برداشت مظالم تاریخ اسلام میں پائے جاتے ہیں وہ سب اسی زمانے میں ہوئے۔ راستے میں کانٹوں کا بچھانا۔ نماز پڑھنے میں گردن پر اوجھ ڈالنا، گلے میں چادر لپیٹ کر کھینچنا۔ شریر لڑکوں کا پیچھے پیچھے ہنسی اڑانا، خاک اور کوڑا کرکٹ سر پر پھینکنا، قرآن کے لانے والے یعنی جبریلؑ اور قرآن کے اتارنے والے یعنی خدا کو (نعوذ باللہ) گالیاں دینا۔ طائف کا سفر اور وہاں حضورؐ کو لہولہان کیا جانا یہ سب واقعات حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کے انتقال کے بعد

کے ہیں۔"

اب سگے چچا ابو لہب کو (جو اسلام کا کٹر دشمن تھا) کھل کر حضور کو ستانے کی جرأت ہوئی۔ حضور جب کہیں کسی مجمع عام میں دعوتِ اسلام کا وعظ فرمانے جاتے تو ابو لہب ساتھ جاتا اور آپ کے ساتھ ساتھ برابر سے کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے۔"

اب اگر کوئی ہر موقع پر آکر حضورؐ کی حمایت کرتا تو وہ صرف ایک ذات ابو بکر صدیقؓ کی تھی۔ ایک بار آپ حرمِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی۔ اتنے میں ابو بکرؓ آگئے اور آپ کا شانہ مبارک پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا اور کہا کہ "اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے" لیکن کیا حضورؐ کے قتل کا ارادہ قریش نے ترک کر دیا؟ نہیں، انھوں نے ایک رات قتل کا منصوبہ بنایا۔ حجت تمام ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ہجرت کا حکم دیا اور آپؐ مکے سے مدینے ہجرت فرما گئے۔

اُمّ المومنین کی یاد

اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضورؐ نے متعدد شادیاں کیں اور تمام ازواجِ مطہّرات نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے رسولِ خداؐ اور تحریکِ اسلامی کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا لیکن حضرت خدیجہؓ

کی وفات سے حضور کے دل پر جو گہرا زخم لگا تھا وہ مندمل نہ ہوا۔ آپؐ عمر بھر اسلام کی اوّلین علمبردار اور اپنی پہلی رفیقۂ حیات کو یاد فرماتے رہے۔ آپؐ ان کی مالی قربانیوں کو یاد کرتے، ان کے ایثارِ نفس کو یاد فرماتے، ان کے زرّیں مشوروں اور تسلّی بخش جملوں کو یاد فرماتے، یہاں تک کہ ان کی نشانی دیکھتے یا ان کی کسی سہیلی یا بہن کی آواز سن لیتے تو یاد فرماتے اور آبدیدہ ہو جاتے۔ اس سلسلے کے کچھ واقعات بطور تذکیر پیش کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم اسی حدیث کو مکمل طور سے دہرائیں گے۔ جس کے ایک ابتدائی اقتباس سے ہم نے یہ تذکرہ شروع کیا تھا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیؐ کریمؐ کی بیویوں میں اتنا رشک کسی پر نہ ہوتا تھا جتنا خدیجہؓ پر، حالاں کہ میں نے ان کو دیکھا تک نہ تھا۔ بس اتنی بات تھی کہ حضورؐ ان کو اکثر یاد فرماتے رہتے تھے۔ حضورؐ کبھی بکری ذبح فرماتے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے کر کے خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس بھیجتے۔ میں حضورؐ سے عرض کرتی کہ آپ کے نزدیک جیسے خدیجہؓ کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں ہے؟ حضور فرماتے کہ ہاں، وہ ایسی اور ایسی تھیں وغیرہ۔

"ایسی اور ایسی" کی تشریح مندرجہ ذیل واقعات سے ہوتی ہے۔

ایک بار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن نبی کریمؐ سے ملنے آئیں اور اسلامی تہذیب کے مطابق دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی۔ ان کی آواز سُنتے ہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضؓ یاد آگئیں آپ بے ساختہ چونک پڑے اور فرمایا" ہالہ ہوں گی!" اس وقت حضرت عائشہ رضؓ موجود تھیں۔ حضورؐ کا یہ انداز دیکھ کر ان کو بڑا رشک ہوا۔ بولیں" آپ یہ کیا ایک معمر خاتون کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ جو مر چکیں۔ اور خدا نے آپؐ کو ان سے بہتر بیویاں عطا فرمائیں۔"

اس پر حضورؐ نے فرمایا" خدا کی قسم! ہرگز نہیں، خدا نے ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں دی۔ خدیجہ رضؓ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ مجھ کو جھٹلاتے تھے اور انہوں نے اس وقت مجھے (اقامتِ دین کی خاطر) اپنا مال دیا جب لوگ مجھے مال دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

خود حضرت عائشہ رضؓ کی اسی حدیث سے ملتی جلتی دوسری حدیث ہے جس میں مزید الفاظ ہیں:

" جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے میری تصدیق کی۔
جب میرا کوئی معین و مددگار نہ تھا اس وقت انہوں نے میری مدد کی۔"

جنگ بدر میں جن لوگوں کو مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا ان میں حضورؐ کے داماد ابوالعاص[1] بھی تھے جو حضورؐ کی پیاری بیٹی حضرت زینب رضؓ کے شوہر تھے۔ جس طرح دوسرے اسیروں سے زرِ فدیہ طلب کیا گیا اسی طرح ابوالعاص سے بھی مانگا گیا۔ لیکن وہ اس وقت تک خالی ہاتھ تھے۔ ابوالعاص نے زرِ فدیہ کے لیے گھر کہلا بھیجا۔ حضرت زینب رضؓ اس وقت تک مکّے ہی (سسرال) میں تھیں۔ انھوں نے

---

[1] ابوالعاص اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔

اپنا ہار زرِ فدیہ کے عوض بھیج دیا ۔ یہ ہار انھیں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ حضورؐ نے اس ہار کو دیکھا تو آپؐ رو پڑے۔ صحابہؓ سے فرمایا "اگر تم چاہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس دے دو"۔ سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ہار واپس ہو گیا۔

اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ پر جن سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خوش رہے اور تمام عمر یاد فرماتے رہے۔ اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ پر جنہوں نے ایمان لانے میں سب سے سبقت کی۔ اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت خدیجہؓ پر جنہوں نے تحریک اسلامی کی جڑوں کو اپنی جان، اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی ساری صلاحیتوں کے ذریعہ مضبوط کیا اور اللہ تعالیٰ ان خواتین کو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو آج تحریکِ اسلامی کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔